27

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی نوع انسان کی ہمدردی میں عدیم المثال قربانیاں

(فرمودہ 26؍اگست 1949ء بمقام یارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت کی:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ 1

اس کے بعد فرمایا:

''اِس آیت کے تین حصوں کو میں بیان کر چکا ہوں۔ اب چوتھا حصہ رہ گیا ہے اور وہ ''مَمَاتِیْ'' ہے یعنی میری موت اللہ کے لیے ہے اور اُس اللہ کے لیے ہے جو رب العٰلمین یعنی سب جہانوں کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ موت کے معنے جسمانی موت کے بھی ہوتے ہیں اور موت کے معنے مصیبت اور دکھ کے بھی ہوتے ہیں اور موت کے معنے اُن حالات کے بھی ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے انسان اپنے اوپر خود وارد کر لیتا ہے۔ اگر ہم موت کے یہ معنے کریں کہ وہ حالات جو میں اپنے اوپر وارد کرتا رہتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اُس خدا کے لیے ہیں جو رب العٰلمین ہے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ دنیا میں تمام انبیاء ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنی قوم

اور اپنی ذات کے لیے دکھ اور مصائب اُٹھائے۔ مگر میں پہلا شخص ہوں جس نے رب العٰلمین خدا کے لیے دکھ اور مصائب اُٹھائے ہیں۔ میرا تکلیف اُٹھانا کسی خاص قوم کے لیے نہیں تھا، میرا تکلیف اُٹھانا کسی خاص ملک کے لیے نہیں تھا۔ میری تکالیف اور دکھ سب دنیا کے لیے ہیں۔ اور جیسا کہ میں اپنے خطبات میں بتا چکا ہوں اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے ساتھ ایسی قیود لگادی گئی ہیں جو دوسرے نبیوں کی قربانیوں میں بھی نہیں پائی جاتیں کُجا یہ کہ دوسرے انسانوں کی قربانیوں میں وہ قیود پائی جائیں۔ حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں آئے اور انہوں نے تکالیف برداشت کیں اور دکھ اُٹھائے مگر وہ تکالیف اور دکھ انہوں نے اپنی قوم کے لیے اٹھائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی بڑی قربانیاں کیں مگر انہوں نے بھی وہ قربانیاں اپنی قوم کے لیے کیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی قربانیاں کیں مگر انہوں نے بھی وہ قربانیاں اپنی قوم کے لیے ہی کیں۔ گزشتہ انبیاء کو بنی نوع انسان کے مجموعی وجود کا احساس ہی نہیں تھا۔ بائبل کو دیکھ لو وہاں بار بار یہی آتا ہے ''اے اسرائیل کے خدا!'' وہاں رب العٰلمین کا خیال نہیں پایا جاتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ خدا تعالیٰ کو رب العٰلمین نہیں مانتے تھے۔ بنی اسرائیل بھی خدا تعالیٰ کو رب العٰلمین مانتے تھے لیکن رب العٰلمین کا جذبہ ربِّ بنی اسرائیل کے جذبہ کے ماتحت تھا۔ تورات یہ نہیں کہتی کہ بنی اسرائیل کے علاوہ باقی لوگ خدا تعالیٰ کی مخلوق نہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کو بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق ہی سمجھتی ہے لیکن وہ یہ بھی سمجھتی ہے کہ بنی اسرائیل دوسری مخلوق سے زیادہ شان والے ہیں۔ چنانچہ گو بائیبل خدا تعالیٰ کو بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری مخلوق کا بھی خدا خیال کرتی ہے مگر سوتیلے اور سگے کا فرق ضرور پایا جاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلے شخص تھے جو ایسے ملک میں پیدا ہوئے جس کے تعلقات باقی دنیا سے نہیں تھے۔ عرب باقی ساری دنیا سے کٹا ہوا تھا۔ عرب کے رہنے والے باقی دنیا کے متعلق کوئی قطعی اور یقینی خیال نہیں رکھتے تھے۔ ان کے پاس کوئی تاریخ نہیں تھی۔ عرب کی دنیا عرب تک ہی محدود تھی۔ اگر وہ دوسری قوموں کے متعلق کوئی خیال رکھتے بھی تھے تو وہ صرف منافرت کا خیال تھا۔ عربوں میں تکبر اتنا پایا جاتا تھا کہ وہ سمجھتے تھے ان کے مقابلہ میں کوئی ہے ہی نہیں وہ صرف سیاسی برتری کو اپنے سے بالا سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ رومن اور ایرانی حکومتوں کے برابر اور کوئی حکومت نہیں۔ گویا سیاسی نقطہ نگاہ سے تو وہ عرب کو حقیر خیال کرتے تھے اور قومی نقطہ نگاہ سے وہ باقی دنیا کو عرب

کے مقابلہ میں ذلیل خیال کرتے تھے۔ اسی طرح خواہ کوئی نقطہ نگاہ ہو جغرافیائی ہو یا تاریخی وہ دنیا میں مساوات کا رنگ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ قومی برتری کا خیال آتے ہی وہ عرب کو دوسری قوموں سے بالا سمجھتے تھے۔ اور جب سیاست کا سوال آتا تھا وہ رومن اور ایرانیوں کے درباروں میں جا کر رومی اور ایرانی بادشاہوں کو حضور کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ انہیں سیاسی تفاخر کے متعلق کوئی حِس نہیں تھی۔ وہ رومی اور ایرانی بادشاہوں کو بڑے فخر سے اپنا بادشاہ کہہ دیتے تھے کیونکہ جب وہ ان کے درباروں میں جاتے تھے تو کچھ لینے کے لیے جاتے تھے۔ غرض نہ وہ جغرافیائی حیثیت سے ایک دنیا کے قائل تھے اور نہ قومی لحاظ سے وہ ایک دنیا کے قائل تھے۔ پھر جو لوگ رومن اور ایرانی درباروں میں جاتے تھے اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ بالعموم یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے اپنے گھر کے اردگرد سَو سَو میل سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ ان کے مقابلہ میں بنی اسرائیل قوم ترقی یافتہ قوم تھی۔ وہ مصر میں رہتے تھے اور ایسی قوم کے اقتدار میں رہتے تھے جن کی اپنی حکومت اور اقتدار تھا۔ پھر مصر اُن دنوں سب سے زیادہ متمدن ملک تھا۔ مصر کے جہاز یورپ، افریقہ اور ہندوستان وغیرہ دوسرے ممالک میں جاتے تھے۔ اس کی بیرونی ممالک سے تجارتیں تھیں اور مصری لوگ تجارتوں کے لیے باہر جاتے تھے اور دوسرے ممالک سے سیاسی اور تمدنی تعلقات رکھتے تھے۔ غرض مصر میں رہنے والی قوم باقی دنیا کے حالات سے غافل نہیں رہ سکتی تھی۔ مصری قوم اُس زمانہ میں بڑی متمدن قوم تھی اور اس کے باقی ممالک سے وسیع تعلقات تھے۔ جیسے آجکل انگلستان ہے۔ انگلستان سیاسی اور تمدنی طور پر اتنی ترقی کر چکا ہے کہ اس میں رہنے والا دنیا کے حالات سے غافل نہیں رہ سکتا۔ افغانستان میں رہنے والا غافل رہ سکتا ہے کیونکہ تمدنی اور سیاسی ترقی میں وہ ابھی بہت پیچھے ہے۔ یہی حالت عرب کی مصر کے مقابل میں تھی لیکن مصر میں رہتے ہوئے، مصری اقتدار کے ماتحت رہتے ہوئے اور مصری تہذیب کے ساتھ تعلق رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیل کا خدا پیش کیا۔ چنانچہ بار بار تورات میں یہی آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا خدا یوں کہتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام جن کے زمانہ میں تمدن بہت پھیل چکا تھا، یورپ اور ایشیا آپس میں مخلوط ہو چکے تھے وہ بھی یہی کہتے رہے کہ میں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے لیے آیا ہوں۔ باوجود دنیا میں اتحاد ہو جانے کے حضرت مسیح علیہ السلام قومی نظر سے اوپر نہیں جا سکے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ باقی

لوگ خدا تعالیٰ کی مخلوق نہیں۔ وہ یہ بھی خیال نہیں کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ باقی مخلوق کا خدا، خدا نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام یہی سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ باقی مخلوق بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے اور خدا بنی اسرائیل کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بھی خدا ہے۔ مگر باوجود اس کے موسوی نظریہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہی نظریہ پیش کیا کہ بنی اسرائیل خاص طور پر خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور خدا تعالیٰ خاص طور پر بنی اسرائیل کا باپ ہے باقی لوگ خدا تعالیٰ کے سوتیلے بیٹے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کا سوتیلا باپ ہے۔ اس کے مقابل پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ آپ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے بہت پیچھے تھا وہ باقی دنیا سے بہت کٹا ہوا تھا پہلی دفعہ یہ نظریہ پیش کیا کہ تمام قومیں خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور خدا تعالیٰ تمام قوموں کا خدا ہے اور یکساں خدا ہے۔ آپ نے فرمایا بیشک عرب قوم میری پہلی مخاطب ہے اور میں اسی میں پیدا ہوا ہوں مگر میں صرف اسی قوم کی بہبودی کے لیے مبعوث نہیں ہوا بلکہ بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَبْیَضِ وَالْاَحْمَرِ وَالْاَصْفَرِ 2 میں تمام سیاہ، سفید، سُرخ اور زرد قوموں کی بہبودی کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ کوئی چینی ہو یا افریقن، انگریز ہو یا امریکن، ہندوستانی ہو یا جاپانی ان ساروں کے لیے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔

پھر خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ فرماتے ہیں وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ 3 یعنی یہ نہیں کہ میں نے اپنے زمانہ میں ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ مَیں ساری دنیا سے تعلق رکھتا ہوں اور میری زندگی اسی کی بہتری کے لیے صَرف ہو رہی ہے بلکہ پہلے نبیوں پر جو الزامات عائد کیے گئے ہیں مجھے انہیں بھی دُور کرنا ہے۔ گویا یہ چیز خدا تعالیٰ کو آج ہی نہیں سُوجھی کہ سب مخلوق اسی کی ہے بلکہ پہلے بھی مختلف انبیاء مختلف قوموں کی طرف مبعوث ہوتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کا سامان پیدا کرتا رہا ہے۔ دراصل بنی اسرائیل کا یہ ایک محاورہ تھا کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں۔ ورنہ وہ یہی سمجھتے تھے کہ خدا سب کا خدا ہے۔ نہ خدا تعالیٰ نے کسی وقت اپنے بندوں کو بھلایا اور نہ بندوں نے خدا تعالیٰ کی خدائی سے انکار کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ محض الزامات ہیں جو پہلے نبیوں پر عائد کیے گئے ہیں۔ ورنہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو رب العٰلمین کی صورت میں پیش کیا ہے۔ مگر اِس حقیقت کے باوجود اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ رہے مگر بنی اسرائیل کے لیے،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ رہے مگر اپنی قوم کے لیے، حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ رہے مگر فلسطینیوں کے لیے، حضرت نوح علیہ السلام زندہ رہے مگر عراقیوں کے لیے، حضرت کرشن اور حضرت رامچند رعلیہما السلام زندہ رہے مگر ہندوستانیوں کے لیے۔انہوں نے تکالیف اٹھائیں، مصائب برداشت کیں مگر صرف بنی اسرائیل کے لیے یا صرف فلسطینیوں کے لیے یا صرف عراقیوں کے لیے یا صرف ہندوستانیوں کے لیے۔لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حکم سے فرماتے ہیں قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں اگر تکالیف اور دکھ اُٹھاتا ہوں تو صرف ایک قوم کے لیے نہیں۔ بیشک میں عرب قوم میں پیدا ہوا ہوں اور وہ میری پہلی مخاطب ہے لیکن میرے دُکھ اور مصائب ساری دنیا کے لیے ہیں۔اور یہ ایک قوم کے لیے ہو بھی کس طرح سکتے ہیں میں نے تو اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لیے وقف کی ہوئی ہے اور ایسے خدا کے لیے وقف کی ہوئی ہے جو رب العٰلمین یعنی سب جہانوں کی ربوبیت کرنے والا ہے۔میں صرف عرب قوم کا لیڈر نہیں ہوں۔میں تو خدا تعالیٰ کا جو رب العٰلمین ہے بندہ ہوں۔اُس کی خاطر میں نے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہے۔وہ اگر رب العٰلمین ہے، وہ اگر سب جہانوں کی ربوبیت کرتا ہے تو اُس کا خادم ہونے کی حیثیت سے میری تکالیف اور دکھ کسی خاص قوم کے ساتھ کیوں مختص ہوں۔جس شخص کے دو بیٹے ہوں اُس کا خادم دونوں بیٹوں کی خدمت کرے گا لیکن اگر تم نوکر نہیں ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے دوست بن جاؤ۔دوسرے سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھو۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے دو بیٹے ہوتے ہیں۔ایک شخص کے ان میں سے ایک کے ساتھ گہرے تعلقات ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کے دوسرے بھائی کے ساتھ اس کے عام رواداری اور ہمدردی کے بھی تعلقات نہیں ہوتے۔لیکن نوکر ایسا نہیں کر سکتا۔اسے دونوں کی خدمت کرنی ہوگی، دونوں سے وفاداری کا سلوک کرنا پڑے گا۔ ہمسایہ ایسا کر سکتا ہے، غیر نوکر ایسا کر سکتا ہے لیکن نوکر ایسا نہیں کر سکتا۔ پس قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں نے خدا تعالیٰ کو رب العٰلمین سمجھ کر مانا ہے۔ربّ عرب یا ربّ بنی اسرائیل سمجھ کر نہیں مانا۔اور جب میں نے اسے رب العٰلمین سمجھ کر مانا ہے تو اس کی جتنی بھی مخلوق ہے ساری کی خاطر مجھے اپنے اوپر تکالیف وارد کرنی پڑیں گی۔اِسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں کثرت

سے یہ چیز پائی جاتی ہے کہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں فضیلت ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کہتے ہیں فضیلت ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس کسی غیر قوم کی ایک عورت آ کر کہتی ہے اے استاد! تُو مجھے بھی اس سچائی سے حصہ دے جو تُو بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتی کہ تُو میرے لیے بھی تکلیف اُٹھا، میری بہتری کے لیے بھی قربانی کر بلکہ وہ صرف اتنا کہتی ہے کہ مجھے بھی وہ باتیں سنا جو تُو بنی اسرائیل کو سناتا ہے لیکن اس عورت کی خاطر دکھ اور تکالیف اٹھانا تو الگ رہا حضرت مسیح علیہ السلام کہتے ہیں ''بیٹوں کی روٹی میں کُتّوں کے آگے کیسے پھینک سکتا ہوں''۔4 گویا بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور یہ ان کی روٹی ہے۔ دوسری قومیں جو بمنزلہ کُتّوں کے ہیں یہ روٹی ان کے آگے کیسے پھینک سکتا ہوں۔ اس کے مقابلہ میں اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ایسے ابتدائی زمانہ میں جبکہ ابھی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی قرآن کریم کا ایک پارہ بھی پورا نازل نہیں ہوا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام آتے ہیں۔ ان میں سے کوئی یونانی ہوتا ہے جیسے سہیلؓ، کوئی حبشہ کا ہوتا ہے جیسے بلالؓ، کوئی آرمینیا کا ہوتا ہے اور کوئی ایران کا۔ یہ لوگ آتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی یہ خواہش پیش کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اپنی تعلیم سنایئے۔ اُن کے جواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں فرماتے کہ کیا کوئی شخص اپنے بیٹوں کی روٹی کُتّوں کے آگے بھی پھینک سکتا ہے۔ بلکہ آپ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عرب قوم ہے ویسے ہی یہ لوگ بھی ہیں۔ آپ فوراً اُنہیں دینی تعلیم دینا شروع کر دیتے ہیں۔ بلکہ دینی تعلیم دینا تو الگ رہا یہاں تک ثابت ہے کہ دو بھائی تھے، وہ عربی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے تھے یا بہت کم علم رکھتے تھے وہ صرف بائبل جانتے تھے۔ وہ کسی شخص کے غلام تھے اور لوہا کُوٹا کرتے تھے۔ آپؐ اُن دونوں بھائیوں کو اشاروں کے ساتھ تبلیغ کیا کرتے تھے۔ جب آپؐ وہاں سے گزرتے تو اُن کے پاس کھڑے ہو جاتے۔ وہ دونوں یونانی تھے اور آپ کی باتیں نہیں سمجھ سکتے تھے۔ آپ محبت کی وجہ سے وہاں کھڑے ہو جاتے اور ان کی باتیں سُنتے۔ پھر آپ انہیں تبلیغ کرنے لگ جاتے۔ زبان تو وہ سمجھ نہیں سکتے تھے اشاروں سے انہیں تبلیغ کرتے۔ مثلاً اللہ کا لفظ کہہ کے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ آہستہ آہستہ اُن دونوں کو آپ سے اُنس ہوتا گیا اور بالآخر وہ دونوں ایمان لے آئے۔ ایسے لوگ دس گیارہ کی تعداد میں تھے جو غیر قوموں کے تھے اور آپؐ پر ایمان لائے۔

جب طائف میں آپؐ تشریف لے گئے تو وہاں لوگوں نے آپؐ سے بدسلوکی کی۔ آپؐ کے ساتھ حضرت زیدؓ بھی تھے۔ آپؐ جب واپس لَوٹے تو طائف والوں نے پتھر برسائے اور آپ کے پیچھے کُتّے چھوڑ دیئے۔ آپؐ ان لوگوں کے آگے آگے بھاگے آ رہے تھے اور زخموں سے لہولہان تھے۔ 5 رستہ میں مکہ کے ایک شخص کا باغ تھا۔ وہاں ذرا ستانے کے لیے آپ ٹھہر گئے۔ باغ کا مالک آپؐ کا شدید دشمن تھا لیکن عربوں میں ایک عجیب بات پائی جاتی ہے کہ ان پر عزیزوں کی محبت ضرور غالب رہتی ہے۔ یہ بات دوسری قوموں میں نہیں پائی جاتی۔ مذہب کے جوش میں آ کر وہ سختی بھی کرتے تھے، ایذائیں بھی دیتے تھے لیکن بھائی کی خاطر قربانی کا احساس انہیں ضرور ہوتا تھا۔ باغ کا مالک آپؐ کا شدید دشمن تھا اور ہمیشہ آپ کو دُکھ دیا کرتا تھا۔ اس لیے آپؐ اس کے باغ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ کنارے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ وہ باغ میں آیا ہوا تھا اور چشمہ پر بیٹھا باغ کی نگرانی کر رہا تھا، اُس کے غلام کام کر رہے تھے۔ اُس کی نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زیدؓ پر پڑ گئی۔ مکہ میں یہ مشہور ہو چکا تھا کہ آپؐ طائف تشریف لے گئے ہیں۔ اس نے آپؐ کے کپڑوں پر خون بھی دیکھا۔ اُس شخص میں بُغض اور کینہ کی وجہ سے یہ جرأت نہ ہوئی کہ خود پاس آئے لیکن اس نے آپ کی تکلیف کا احساس ضرور کیا اور یہ سمجھا کہ اُس کے برادری کے بھائی پر لوگوں نے ظلم کیا ہے۔ اُس نے اپنے ایک غلام کو بلایا اور کہا کہ ایک تھال لاؤ۔ وہ ایک تھال لایا اور اس نے انگور کے کچھ خوشے اُس میں رکھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زیدؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا وہ دونوں آدمی جو درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں اُن کے پاس جاؤ اور انہیں یہ انگور کِھلاؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کھانے پینے سے زیادہ تبلیغ کے لیے جلن رہتی تھی جو افسوس ہے کہ ہماری جماعت میں نہیں پائی جاتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے چُور چُور تھے۔ لیکن اُدھر یہ غلام انگور لیے آپؐ کے پاس پہنچا اور اُدھر آپؐ کے اندر جوشِ تبلیغ موجزن ہوا۔ آپ نے اُس غلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اُس نے جواب دیا میں نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا! تم میرے بھائی یونس کے وطن کے ہو۔ آپؐ کا یہ فقرہ سُن کر اُس غلام کے کان کھڑے ہو گئے کہ یہ عرب کا باشندہ ہونے کے باوجود نینوا کے رہنے والے یونس (علیہ السلام) کو اپنا بھائی تصور کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے اُس کے اندر آپؐ کے لیے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ اُس نے پوچھا آپ کا یہ کیا حال ہے اور لوگوں

نے آپ سے ایسا سلوک کیوں کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا تم تو یونسؑ کے ملک کے ہو تم جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو مصلح دنیا میں آتے ہیں ان کیساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اے نینوا کے رہنے والے! میں نے انہیں اتنا ہی کہا تھا کہ تم ایک خدا کی طرف آؤ اور بُتوں کی پرستش نہ کرو اور میں تمہیں بھی کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی باتوں پر عمل کرو۔ وہ غلام عیسائی تھا، دین اُس کے پاس تھا ہی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جیسے انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ بعض عورتیں آپؑ کے پاس آئیں اور انہوں نے آنسوؤں کے ساتھ آپ کے پاؤں دھونے شروع کر دیئے اور بالوں سے، پاؤں پر سے مٹی صاف کی اِسی طرح وہ غلام بھی آپؑ کے پاؤں پر گر گیا اور اس نے آپ کے پاؤں سے مٹی اور خون صاف کرنا شروع کر دیا۔ جب واپس گیا تو باغ والے نے پوچھا تم نے یہ کیا حرکتیں کی ہیں؟ اس شخص سے میرے خاندانی تعلقات ہیں اور میں جانتا ہوں کہ یہ پاگل ہے۔ اُس غلام نے کہا نہیں یہ تو اُس برادری میں سے ہے جس میں سے ہمارے نبی یونس علیہ السلام تھے۔ باغ کے مالک نے اُسے ڈانٹا ڈپٹا مگر اُس کا دل کھل چکا تھا اور وہ ایمان لا چکا تھا۔6

اب دیکھو! حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس ایک عورت آتی ہے اور کہتی ہے اے استاد! مجھے بھی وہ تعلیم سنا جو تُو اپنی قوم کو دیتا ہے مگر وہ جواب دیتے ہیں میرے پاس تیرے لیے کچھ نہیں۔ یہ تعلیم صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے اور بیٹوں کی روٹی کُتّوں کے آگے میں کیسے پھینک سکتا ہوں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جو آپؐ کی قوم کا نہ تھا۔ ایسے وقت میں آیا جب آپؐ زخموں سے چُور تھے اور خون سے لت پت۔ بہت حد تک دشمن کے آگے آگے بھاگے چلے آئے تھے اور ایک ایسی جگہ پر آیا جو آپؐ کے دشمن کی تھی اور ذرا سی تبلیغ کرنے سے بھی ایک بڑی آفت آ سکتی تھی وہ آتا ہے اور خود بھی نہیں کہتا کہ تم مجھے تبلیغ کرو مگر آپ خود اسے تبلیغ کرتے ہیں۔

غرض قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں بتا دیا گیا ہے کہ آپ کے لیے عرب اور غیر عرب دونوں برابر تھے۔ آپؐ کے دکھ اور تکالیف صرف عرب قوم کے لیے ہی نہیں تھیں بلکہ کالے، گورے، عربی، مصری، ہندوستانی سب کے لیے تھیں۔ آپ اپنی ایک ایک حرکت میں اس بات کا احساس رکھتے تھے کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت بلالؓ حبشی تھے، عربی

زبان نہیں جانتے تھے اور عربی بولتے ہوئے وہ بہت سی غلطیاں کر جاتے تھے۔ مثلاً حبشہ کے لوگ ''ش'' کو ''س'' کہتے تھے۔ چنانچہ بلالؓ جب اذان دیتے ہوئے اَشْھَدُ کو اَسْھَدُ کہتے تو عرب لوگ ہنستے تھے کیونکہ ان کے اندر قومی برتری کا خیال پایا جاتا تھا۔ حالانکہ دوسری زبانوں کے بعض الفاظ وہ خود بھی نہیں ادا کر سکتے تھے۔ مثلاً وہ روٹی کو روٹی نہیں کہہ سکتے روتی کہیں گے اور چوری کو جوری کہیں گے۔ جس طرح غیر عرب عربی کے بعض الفاظ ادا نہیں کر سکتے اِسی طرح عرب بھی غیر زبانوں کے بعض الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن قومی برتری کے نشہ میں وہ یہ بات سوچتے نہیں تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کے اَسْھَدُ پر دوسرے لوگوں کو ہنستے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا تم بلالؓ کی اذان پر ہنستے ہو حالانکہ جب وہ اذان دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ عرش پر خوش ہوتا ہے اور تمہارے اَشْھَدُ سے اس کا اَسْھَدُ کہنا خدا تعالیٰ کو زیادہ پیارا لگتا ہے۔ بلالؓ حبشی تھے اور حبشی غلام بنائے جاتے تھے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کے نزدیک کوئی غیر قوم مقہور و ذلیل ہو۔ آپؐ کے نزدیک سب قومیں یکساں طور پر خدا تعالیٰ کی مخلوق تھیں۔ آپؐ کو یونانیوں اور حبشیوں سے بھی ویسا ہی پیار تھا جیسے عربوں سے۔ یہی محبت تھی جس نے اُن غیر قوموں کے دلوں میں آپؐ کا وہ عشق پیدا کر دیا تھا جس کو عرب کے بھی بہت سے لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے پھر عرب قوم میں پیدا ہوئے، اور عربوں سے بھی قریش قبیلہ میں پیدا ہوئے جو دوسری عرب قوموں کو بھی حقیر اور ذلیل سمجھتا تھا۔ آپ کو حبشیوں سے کیا جوڑ تھا۔ اگر آپؐ سے کسی قوم یا قبیلہ کو محبت ہونی چاہیے تھی تو بنو ہاشم کو ہونی چاہیے تھی، آپ سے کسی کو محبت ہونی چاہیے تھی تو قریش کو ہونی چاہیے تھی یا پھر عرب کے لوگوں کو ہونی چاہیے تھی۔ غیر قوموں کے دلوں میں جن کی حکومتوں کو آپ کے لشکروں نے پامال کر دیا تھا، جن کی قومی سرداری کو اسلامی سلطنت نے تباہ کر کے رکھ دیا تھا محبت ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ انہیں تو آپ سے دشمنی ہونی چاہیے۔ لیکن واقعات کیا ہیں؟ اس کے لیے ہم پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کی قوم کی اُس محبت کا جائزہ لیتے ہیں جو اُسے اپنے آقا کے ساتھ تھی۔ جب آپ پکڑے گئے اور آپ کے خاص حواری پطرس کو جسے آپ نے اپنے بعد خلیفہ بھی مقرر کیا تھا پولیس نے کہا کہ تم اس کے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟ معلوم ہوتا ہے تم بھی اس کے ساتھ ہو۔ تو اُس نے کہا میں اس کا مُرید نہیں ہوں۔ میں تو اس پر لعنت بھیجتا ہوں[7]۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ

آپ کے حواری آپ سے محبت ضرور کرتے تھے۔ بعد میں پطرس بھی روما میں صلیب پر لٹکایا گیا اور اس نے بڑی دلیری کے ساتھ موت کو قبول کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی محبت اور اطاعت سے انکار نہیں کیا لیکن جب حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا اُس وقت اس کا ایمان پختہ نہیں تھا اُس وقت وہ دو چار تھپڑوں سے ڈر گیا تھا۔ مگر بعد میں اس نے صلیب کو بھی نہایت خوشی سے قبول کیا۔ بہرحال یہ ایک نظارہ تھا اُس محبت کا جو مسیح علیہ السلام سے آپ کی قوم کو تھی۔ اب آپ کی قوم کے مقابلہ میں ہم اُن غلاموں کو دیکھتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ بلالؓ جو حبشی غلام تھا اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو محبت تھی ہم دیکھتے ہیں اُس کا بلالؓ پر کیا اثر تھا۔ بعض لوگوں کو ظاہری طور پر اپنے محبوب سے گہری محبت ہوتی ہے لیکن حقیقتاً ان کی محبت ایک دائرہ کے اندر محدود ہوتی ہے۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ سے جس کے حبشی غلام ہونے کی وجہ سے قریش ہی نہیں بلکہ سارے عرب نفرت کا اظہار کرتے تھے جس محبت کا اظہار کیا آیا وہ ایک عام رواداری کی روح کی وجہ سے تھا یا حقیقی محبت کا مظاہرہ تھا؟ اس کا جائزہ بلالؓ ہی لے سکتے ہیں ہم نہیں لے سکتے۔ اِس واقعہ پر تیرہ سَو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے ہم اس کا کیا جائزہ لے سکتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ بلالؓ نے آپ کی محبت کے اظہار کو کیا سمجھا۔ یہاں یہ سوال نہیں کہ میں نے کیا سمجھا، یہاں یہ سوال نہیں کہ ہم سے پہلی صدی کے لوگوں نے کیا سمجھا، یہاں یہ سوال نہیں کہ اس سے پہلی صدی کے لوگوں نے کیا سمجھا یہاں یہ سوال بھی نہیں کہ خود صحابہؓ نے کیا سمجھا بلکہ سوال یہ ہے کہ یہی چھوٹا سا فقرہ کہ تم بلالؓ کے ''اَشْھَـــدُ'' کہنے پر ہنستے ہو حالانکہ اس کی اذان سن کر خدا تعالیٰ بھی عرش پر خوش ہوتا ہے۔ وہ تمہارے اَشْھَدُ سے اس کے اَشْھَدُ کی زیادہ قدر کرتا ہے۔ یہ صرف دلجوئی اور دافع الوقتی کے لیے تھا یا گہری محبت کی بناء پر تھا؟ دیکھنا یہ ہے کہ اس فقرہ سے بلالؓ نے کیا سمجھا۔ بلالؓ نے اس فقرہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپؐ کے دل میں خواہ میں غیر قوم کا ہوں اور ایسی قوم کا ہوں جو انسانیت کے دائرہ سے باہر سمجھی جاتی ہے اور غلام بنائی جاتی ہے محبت اور عشق ہے۔

ہم اس واقعہ سے کچھ عرصہ پیچھے چلے جاتے ہیں۔ یہی شخص جو کہتا ہے مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میری موت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب العٰلمین ہے فوت ہو جاتا ہے، نئی حکومتیں بن جاتی ہیں، نئے افراد آگے آ جاتے ہیں اور نئے تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض صحابہؓ

عرب سے سینکڑوں میل باہر نکل جاتے ہیں۔ انہی صحابہؓ میں بلالؓ بھی تھے۔ وہ شام چلے جاتے ہیں اور دمشق جا پہنچتے ہیں۔ ایک دن کچھ لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بلالؓ اذان دیا کرتا تھا ہم چاہتے ہیں کہ بلالؓ پھر اذان دے۔ انہوں نے بلالؓ سے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ بلالؓ نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں اذان نہیں دوں گا۔ کیونکہ جب بھی میں اذان دینے کا ارادہ کرتا ہوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک میرے سامنے آ جاتا ہے اور میری برداشت سے یہ بات باہر ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اُن دنوں دمشق آئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ بلالؓ سے کہیے کہ وہ اذان دے۔ ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ہمارے کان ترس رہے ہیں کہ ہم بلالؓ کی اذان سُنیں۔ اور ہم میں وہ بھی ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں دیکھا صرف باتیں سنی ہیں ان کے دل بھی خواہش رکھتے ہیں کہ اُس شخص کی اذان سن لیں جس کی اذان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور فرمایا لوگوں کی خواہش ہے کہ آپ اذان دیں۔ آپؓ نے فرمایا آپ خلیفۂ وقت ہیں، آپ کی خواہش ہے تو میں اذان دے دیتا ہوں لیکن میرا دل برداشت نہیں کر سکتا۔ حضرت بلالؓ کھڑے ہو جاتے ہیں اور بلند آواز سے اُسی رنگ میں اذان دیتے ہیں جس رنگ میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان دیا کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو یاد کر کے آپؐ کے صحابہؓ جو عرب کے باشندے تھے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بعض کی چیخیں بھی نکل گئیں۔ حضرت بلالؓ اذان دیتے چلے جاتے ہیں اور سننے والوں کے دلوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو یاد کر کے رِقّت طاری ہو جاتی ہے 8 لیکن حضرت بلالؓ جو حبشی تھے جن سے عربوں نے خدمتیں لیں، جنہیں عربوں سے کوئی خونی رشتہ نہیں تھا اور نہ بھائی چارے کا تعلق تھا ہم نے دیکھنا ہے کہ خود اُن کے دل پر کیا اثر ہوا۔ وہ اذان ختم کرتے ہیں تو بیہوش ہو جاتے ہیں اور چند منٹ بعد فوت ہو جاتے ہیں۔ یہ گواہی تھی غیر قوموں کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس دعویٰ پر کہ میرے نزدیک عرب اور غیر عرب میں کوئی فرق نہیں۔ یہ گواہی تھی غیر قوموں کی جنہوں نے آپؐ کی محبت بھری آواز کو سُنا اور اس کا اثر جو انہوں نے دیکھا اس نے انہیں یقین کروا دیا کہ اُن کی اپنی قوم ان سے وہ محبت نہیں کر سکتی جو محبت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے کرتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تُو لوگوں سے کہہ دے ہماری اتھارٹی پر، تُو اعلان کر دے ہماری تصدیق پر، کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو رب العٰلمین یعنی سب جہانوں کا خدا ہے۔

مَمَاتِیْ کے دوسرے معنے ظاہری موت کے ہوتے ہیں۔ پہلے معنی کے لحاظ سے تو وہ موت تھی جو انسان دکھ اور تکلیف کی شکل میں اپنے اوپر وارد کر لیتا ہے۔ اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ بنی نوع انسان کی خاطر جو موت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر وارد کی اُس کی مثال کہیں نظر نہیں آتی۔ کسی عام انسان کی تو کیا کسی نبی میں بھی ایسی مثال نہیں پائی جاتی۔ اب ہم موت کے دوسرے معنے لیتے ہیں جو جسم سے روح کی جُدائی کا نام ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میری ظاہری موت بھی خدا تعالیٰ کے لیے ہے۔ لوگ مرتے ہیں اور مرتے ہوئے اپنی تکلیف اور دکھ کی وجہ سے دوسروں کا خیال نہیں کرتے کیونکہ وفات کے وقت غیر معمولی تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے جس شخص کو وفات کے وقت زیادہ تکلیف ہوتی تھی میں خیال کرتی تھی کہ وہ گنہگار ہے مگر جب میں نے آپؐ کی وفات دیکھی تو سمجھی یہ جھوٹی بات ہے[9] کیونکہ آپؐ کی نزع کی حالت نہایت تکلیف دِہ تھی۔ وفات کے وقت مرنے والوں کو عموماً یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنا کام اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو سنبھال جائیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور بیماری کی وجہ سے جب ایسی حالت کو پہنچے کہ آپؐ کے لیے چلنا بھی مشکل ہو گیا تو ایک دن آپ سہارا لے کر مسجد میں آئے اور صحابہؓ کو اکٹھا کیا۔ فرمایا ہر ایک انسان آخری وقت میں کوئی نہ کوئی نصیحت کرتا ہے۔ میں بھی تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ یہ غلام بھی تمہاری طرح خدا تعالیٰ کے بندے ہیں اور تمہارے بھائی ہیں اُن کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرنا۔ اور جو شخص یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے یا انہیں اپنے برابر رکھ سکے اُسے چاہیے کہ انہیں آزاد کر دے۔ لیکن جو شخص اُن سے کام لینا چاہتا ہے وہ انہیں اپنے برابر رکھے، جو کچھ خود کھائے وہی انہیں کھِلائے، جو خود پہنے

وہی انہیں پہننے کو دے، جس حالت میں وہ خود رہے اُسی حالت میں انہیں بھی رکھے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو یہ تمہاری طرح خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ ان سے خدمت لینے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ پھر فرمایا اے میرے صحابہ! عورت پر بہت بڑا ظلم ہوتا رہا ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ان کے حقوق ادا کرو۔10

ہمیں گزشتہ انبیاء کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ وہ کیسے فوت ہوئے۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے وقت کا پتا لگتا ہے۔ جب آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا تو اگرچہ وہ وفات کا وقت نہیں تھا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں تو حضرت مریم کو رنجیدہ کھڑا دیکھا اور سمجھ لیا کہ وہ اپنے بیٹے کے مصلوب ہو جانے کے بعد اپنے ولی اور نگران کی عدم موجودگی پر افسوس کر رہی ہے۔ آپ نے اپنے حواری تھومس سے کہا گو جذبات کی وجہ سے آپ اپنا فقرہ مکمل نہ کر سکے کہ اے تھومس! یہ ہے تمہاری ماں اور اے عورت یہ ہے تمہارا بیٹا۔11 جس کے یہ معنے تھے کہ میں تھومس پر اعتبار کرتا ہوں اور اسے تمہارا بیٹا بناتا ہوں۔ اور اے تھومس! میں تم پر اعتبار کرتا ہوں اور اسے تمہاری ماں بناتا ہوں۔ یہ بڑا نیک جذبہ ہے۔ مگر اُس شخص کی محبت اَور بھی بالا ہے جو وفات کے وقت اپنے اعزہ و اقرباء کو بھول جائے اور غریب اور مظلوم کی ہمدردی میں اپنے آخری لمحے گزارے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میری موت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ موت کے وقت اگر کسی کا آپ نے خیال کیا تو وہ مظلوموں، مقہوروں، متروکوں اور اُن بے بس اور بے بس لوگوں کا تھا جن کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

پھر عین وفات کا وقت آتا ہے تو آپؐ کی زبان پر بار بار یہ کلمہ جاری ہوتا ہے۔ خدا لعنت کرے یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیا12 یہود اور نصاریٰ بھی مُوَحِّد تھے۔ مگر ان میں سے جو قبروں کو سجدہ کرتے ہیں انہیں آپ نے حقارت سے دیکھا اور اُن سے اظہارِ نفرت فرمایا۔ اس فقرے کے معنے یہ تھے کہ اے مسلمانو! تم کسی کو رب العٰلمین نہ بنانا۔ پھر جب موت کا وقت اَور قریب آتا ہے اور آپؐ کی زبانِ مبارک بولنے سے عاجز آ جاتی ہے تو اُس وقت آپؐ کی زبان پر جو الفاظ جاری ہوتے ہیں وہ یہ ہیں اِلٰی رَبِّیَ الْاَعْلٰی اِلٰی رَبِّیَ الْاَعْلٰی13 میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں جو بڑی عظمت و شان رکھنے والا ہے۔ بیشک آپ نے یہاں رَبِّـــیْ کا لفظ استعمال کیا ہے مگر

اَلْاَعْلٰی کا لفظ رب العٰلمین کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ رَبِّیْ کہہ کر اپنے محبت کے تعلق کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میری محبت کا تقاضا ہے کہ میں اپنے رب کے پاس جانا چاہتا ہوں جو اصل محبوب ہے۔

اسی طرح احادیث میں آتا ہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؐ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام آپ کو دیا کہ آپ کو موت و زندگی دونوں میں اختیار دیا گیا ہے۔ آپ چاہیں تو آپ کی زندگی بڑھا دی جائے اور اگر چاہیں تو میرے پاس آ جائیں۔ آپ نے فرمایا میں موت کو اختیار کرتا ہوں۔ میں نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ میں نے یہاں اس لیے رہنا قبول کر لیا تھا کہ میرے سپرد ایک کام کیا گیا تھا۔ وہ کام جب میں نے ختم کر لیا تو اب میں یہاں کیوں رہوں۔ آپ جب خطبہ کے لیے صحابہؓ میں تشریف لائے تو فرمایا خدا تعالیٰ کا ایک بندہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اُسے اختیار دیا کہ چاہو تو تمہاری زندگی بڑھا دی جائے اور چاہو تو تم میرے پاس آ جاؤ۔ اس نے خدا تعالیٰ کے پاس جانے کو پسند کیا۔ صحابہؓ نے اسے ایک گزشتہ حکایت سمجھا لیکن حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ سارے صحابہؓ خوش تھے کہ انہیں ایک نئی روایت مل گئی اور ایک نیا نکتہ مل گیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کو روتے دیکھا تو کہا کہ ابوبکر کو کیا ہو گیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہو تو تم زندہ رہو اور چاہو تو موت قبول کر لو اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکرؓ کو روتے ہوئے دیکھا تو سمجھ لیا کہ انہوں نے بات سمجھ لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں حکم دیتا ہوں کہ مسجد کی سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔ صرف ابوبکر کی کھڑکی کھلی رہے۔ پھر فرمایا خدا تعالیٰ نے ابوبکر کو بہت رقیق القلب بنایا ہے۔14

دوسرے لوگوں کی موت اتفاقی ہوتی ہے۔ آپؐ کی وفات اتفاقی نہیں تھی۔ لوگوں کی موت لِلّٰہ نہیں ہوتی۔ وہ بیمار ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ آپؐ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہو تو موت قبول کر لو اور چاہو تو زندہ رہو۔ آپؐ نے موت کو ترجیح دی اور کہا میں نے تو ان دنیاوی تکالیف کو اس لیے برداشت کیا ہے کہ میرے سپرد ایک کام کیا گیا تھا۔ جب میں نے وہ کام ختم کر لیا ہے تو اب زندہ رہ کر میں نے کیا کرنا ہے۔

غرض ان چاروں امور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے جو نمونہ پیش فرمایا اس کی مثال دنیا میں اَور کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ آپ جس طرح اپنے ہر کمال میں یکتا اور بینظیر بھی ہیں اسی طرح ان قربانیوں میں بھی آپ کا کوئی ثانی اور مثیل نہیں ہے۔ لیکن اس کے

ساتھ ہی یہ حقیقت بھی کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کا مطاع قرار دیا ہے۔ پس آپ پر سچا ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کے لیے انتہائی قربانیوں کا مظاہرہ کیا اسی طرح وہ بھی اپنی اپنی روحانی استعداد کے مطابق ان قربانیوں میں حصہ لیں تا کہ اللہ انہیں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں جگہ دے۔ اور جس طرح آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں اسی طرح آپ کی امت بھی اپنی قربانیوں میں تمام امتوں سے افضل ثابت ہو''۔

(الفضل 31 جنوری 1962ء)

1: الانعام: 163

2: تفسیر ابن کثیر (سورہ سبا آیت 28) الجزء الثالث صفحہ 856 مطبوعہ بیروت لبنان 1992ء میں '' بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ'' کے الفاظ ہیں۔

3: فاطر: 25

4: متی باب 15 آیت 21 تا 26 (مفہوماً)

5: السیرۃ الحلبیۃ جلد 1 صفحہ 392 مطبوعہ مصر 1932ء

6: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 62، 63 مطبوعہ مصر 1936ء

7: متی باب 26 آیت 74

8: اسد الغابۃ جلد 1 صفحہ 238 (بلال بن رباح) مطبوعہ بیروت لبنان 2001ء

9: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 389 مطبوعہ مصر 1935ء

10: بخاری کتاب الانبیاء باب خلق اٰدم و ذریتہ

11: یوحنا باب 19 آیت 26، 27

12: بخاری کتاب الجنائز باب مَاجَاء فی قَبْرِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

13: تفسیر الالوسی۔ سورۃ المائدۃ: 3 میں ''اِلَی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی'' کے الفاظ ہیں۔

14: بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سُدُّوا الْاَبْوَابَ اِلَّا بَابَ اَبِیْ بَکْرٍ